از ۔ مولانا خالد کمال مبارکپوری

مصر کی جانب علمی سفر کرتے ہوئے تین عالم ایک ساتھ جمع ہوئے اور تینوں نے فقر و فاقہ سے تنگ آ کر قوت لا یموت کی فراہمی کے لئے ایک مکان میں مجلس مشاورت منعقد کی جس میں ہر طرف قوت کا دروازہ بند پا کر سوال جیسی ذلیل حرکت کی رائے ہوئی۔ چاہے لوگ دامن مراد بھریں یا دروازے سے ہانک دیں کیا تینوں عالم لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر مانگنے پر تیار ہو گئے ؟ اور اپنی عزت و شرافت کو پس پشت ڈال دیا ؟ یا ان میں سے ایک نے اس فیصلہ کے خلاف بغاوت کی۔ کثرت رائے کے پیش نظر قرعہ اندازی ہوئی کہ دیکھئے اللہ تعالیٰ کس سر ذلت و بدبختی مسلط کرتا ہے، چنانچہ قرعہ اسی غیور کے نام نکلا جس نے دست سوال دراز کرنے کے خلاف آواز بلند کی تھی۔ اسنے اپنے ساتھیوں سے کہا مجھے وضو کر کے نماز پڑھنے دو اجازت ملنے پر اس نے وضو کر کے نماز شروع کر دی اور اس طرح شروع کی کہ نماز نہیں پڑھ رہے ہیں بلکہ انسانوں کے بدلے اللہ تعالیٰ سے کھانا مانگ رہے ہیں اور بندے کے بدلے پروردگار کے سامنے ہاتھ پھیلا رہے ہیں۔ جب نماز ختم ہو گئی اور سلام پھیر کر اٹھے تو دیکھا کہ بادشاہ کے خدام ہدایا لئے حاضر ہیں، یہ شاہی ہدیہ ان تینوں کے لئے وہی حیثیت رکھتا تھا جو قحط زدہ زمین کے لئے پانی رکھتا ہے۔

یہ مثالی سائل اور اللہ کے سامنے دست سوال دراز کرنے والا ان تین مسافر عالموں میں سے وہ تھا جس کا نام ابو جعفر محمد بن جریر طبری ہے جس پر بیک وقت شیخ المورخین، امام المفسرین، عالم اللغۃ، فقیہ، ادیب، انشاء پرداز اور علامہ دہر کے القاب صادق آتے ہیں۔ یہ امام وقت طبرستان کے ایک قصبہ آمل میں ۲۲۴ھ پیدا ہوا۔ ایک روایت کے مطابق سنہ ۲۲۵ھ کی ابتدا میں مولود ہوا بعد میں خود شیخ سے سوال کیا گیا کہ آپ کی پیدائش میں اختلاف کیوں کر ہوا تو انھوں نے جواب دیا کہ ہمارے شہر کا قاعدہ ہے کہ تاریخیں کسی حادثہ اور واقعہ کے تابع کر کے شمار کی جاتی ہیں۔ چنانچہ میری تاریخ پیدائش بھی ایک واقعہ سے منسوب ہے، جب میں بڑا ہوا تو لوگوں سے اس حادثہ کی تاریخ دریافت کی لوگوں

نے اس حادثہ کی تاریخ بتلانے میں اختلاف کیا کسی نے ۲۲۴ھ ہجری کا آخر بتلایا کسی نے ۲۲۵ھ کی ابتدا۔ وفات کے متعلق مورخین کا اتفاق ہے کہ ۴ر شوال ۳۱۰ھ ہجری کو چھیاسی برس کی عمر میں انتقال کیا۔

ان کا بچپن علمی ماحول میں گذرا بیٹے کی طرح باپ بھی علم کا قدرداں اور متمنی تھا جس پر اس خواب نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا کہ اس کے باپ نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھا کہ اس کا بیٹا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بیٹھا ہے اور اسکے ہاتھ میں پتھروں سے بھری ہوئی ایک تھیلی ہے جس میں سے وہ پتھر نکال کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب پھینک رہا ہے اس نے صبح جب اس خواب کو لوگوں سے بیان کیا تو ماہرین نے بتلایا کہ تمہارا یہ لڑکا اگر جیا جاگا تو بڑا ہو کر دین کو زندہ کرے گا اور اسلام کا نام اونچا کرے گا۔

بچپن ہی میں قرآن حفظ کیا پھر حدیث کی جانب توجہ دی اور اپنے شہر کے محدثین کی مجلس میں جانے لگا وہاں سے علم حدیث کی خوشہ چینی کرنے کے بعد رے کا رخ کیا اور وہاں کے علماء و محدثین کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔ اس کے اساتذہ میں محمد بن حمید رازی خاص طور پر ذکر کئے جاتے ہیں ان کے علاوہ وہ رے کے قرب وجوار کے دیہات کے علماء کی محفل میں حاضری دے کر درس لیتا تھا۔ جن میں احمد بن حماد دولابی کی محفل کا نام عام طور پر لیا جاتا ہے۔ ابن جریر اور اس کا ایک ساتھی دونوں اپنی علم دوستی کے سبب ابن حمید (رے) اور بن حماد (خارج رے) دونوں کی محفل میں روزانہ حاضری دیتے تھے۔ خود ابن جریر کا بیان ہے کہ پہلے ہم محمد بن حمید رازی کی مجلس میں بیٹھ کر لکھتے وہ رات میں کئی بار ہمارے پاس آکر پوچھتا کہ کیا لکھ رہے ہو؟ اس کے بعد ہم احمد بن حماد دولابی کے پاس چلے جاتے جو رے کے ایک دیہات میں رہتے تھے، چونکہ دونوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا اس لئے ہم گھوڑوں کی طرح دوڑ کر جاتے اور بن حماد کی مجلس میں جا ملتے تھے۔

رے میں بن جریر نے سلمہ بن مفضل محمد بن اسحاق اور احمد بن حماد سے بہت کچھ حاصل کیا بلکہ انھیں دو عالموں سے حاصل کئے ہوئے علمی مواد بن جریر کی عالمگیر علمی شہرت کا باعث بنے۔

بن جریر نے اپنے بچپن میں ایک مشہور ذی علم شخصیت کا شہرہ سنا تو اس سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا چنانچہ اپنے بوڑھے باپ کو ساتھ لیکر طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کرتے ہوئے امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے گھر سے نکل پڑا لیکن قدرت نے اس کو اس در کی سیرابی سے محروم رکھا اور امام احمد بن حنبل کی خدمت میں پہنچنے سے پہلے ان کا وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بالکل خالی ہاتھ آنا ہمارے اس عظیم مورخ کی شان کے خلاف تھا۔ چنانچہ وہاں کے محدثین سے حدیث کا سماع کیا اور شیوخ کی احادیث کو سپرد قرطاس وقلم کیا۔ وہاں سے علم وفضل کی خوشہ چینی کرنے کے لئے بصرہ کا رخ کیا جو اس زمانہ میں عربی زبان وادب کا گہوارہ اور رواۃ، محدثین اور وقائع نگار ومورخین کا ملجا و ماویٰ شمار کیا جاتا تھا۔ وہاں سے علمی تشنگی بجھا کر کوفہ کے لئے کجاوہ باندھا اسی سفر میں واسطہ سے بھی ان کا گذر ہوا اور وہاں کے شیوخ اور ماہرین فن سے ملاقات کی کوفہ کے قیام کے زمانہ میں وہاں کے شیوخ و رواۃ سے بھی رابطہ رکھا اس وقت کوفہ کا سب سے بڑا عالم ابو کریب سمجھا جاتا تھا جس میں علم وفضل کے ساتھ ساتھ درشتی اور سختی بھی تھی بن جریر نے یہاں اپنے حافظہ سے زیادہ کام لیا اور بڑے صبر وسکون کر

جو کچھ سنا لکھا، چونکہ ابن جریر اپنے اس شیخ کو بڑا ثقہ سمجھتا تھا اس لئے بہت سی روایتیں اس زمانہ قیام روایت کر ڈالیں۔

اکناف عراق کا علمی دورہ کرنے کے بعد ابن جریر نے شام و مصر کا دورہ شروع کیا۔ شام میں پہونچا تو اسکی ملاقات ساحل کے اور قلعہ کے باشندوں سے ہوئی۔ جن سے اسنے حوادث و وقائع کے متعلق معلومات لینی شروع کر دی گویا تاریخ و ثقافت کے مدرسہ میں اس نے تاریخ کے ہر ہر پہلو پر ریسرچ کیا اور فسطاط میں پہونچ کر اپنے رحلات و اسفار علمیہ کی انتہا کر دی جو بغداد کے بعد اس زمانہ میں علم و فضل کے اعتبار سے دوسرے نمبر پر شمار کیا جاتا تھا۔ اور جس میں امام شافعی جیسے اہل علم قیام گاہ بنائی۔ فسطاط میں اسکا داخلہ ۲۵۳ھ ہجری میں ہوا۔ تیس سال کی مختصر عمر میں علم و فضل میں مہارت اور اسفار و رحلات میں کافی تجارب حاصل کر چکا تھا۔ مشرق و مغرب کے علماء و فضلاء سے مختلف علوم و فنون کی تحصیل کے باوجود جب مصر میں داخل ہوا اسے معلوم ہوا کہ یک بیک اس کی معلومات میں کئی گنا اضافہ ہو گیا اور عربی زبان و ادب اور علوم قرآن کے ساتھ ساتھ تاریخ میں اسے کافی مواد ہاتھ آیا۔ مصر میں اس وقت امام شافعیؒ، ابن وہب اور امام مالکؒ کے تلامذہ بکثرت تعداد موجود تھی۔ چنانچہ ابن جریر نے یہاں ان دونوں اماموں کے فقہ کو اسی شد و مد اور اسی ادب و احترام سے حاصل کیا جس سے کوفہ و بغداد میں امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل کے فقہ حاصل کر چکا تھا۔ اور شام میں امام اوزاعی کے شاگردوں سے ان کے فقہ پر بھی عبور حاصل کیا تھا۔ چنانچہ اس کا فقہ صرف فقہ نہ تھا بلکہ زبان و ادب اور دوسرے علوم عربیہ و دینیہ کا ایک سنگم تھا جس میں ہر علم و فن کی جھلک نظر آتی تھی۔

مصر اس حیثیت سے اس کے لئے اور بھی راس آیا کہ یہاں آ کر اسکے جمع کردہ علمی ذخائر منظر عام پر آنے لگے اور بازار مصر اس کے علمی سودے کے حق میں کامیاب منڈی ثابت ہوا۔ چنانچہ مختلف علوم و فنون پر علماء مصر سے تبادلہ خیال ہونے لگا۔ ابو الحسن بن علی سراج مصری اس دور کے مشہور عالم اور زبان و ادب کے بہترین ماہر تھے ان سے ابن جریر کا علمی مذاکرہ ہوا اس خالص علمی گفتگو میں ابن جریر نے علم و ادب اور قرآن و حدیث و فقہ کے ایسے ایسے انمول جواہر بکھیرے کہ مصر کی گلیوں میں اس کا چرچا ہونے لگا۔

ابن جریر سے طرح کے شعر کے متعلق دریافت کیا گیا کیونکہ اسکے اشعار کی روایت مصر میں بالکل نہ تھی اس نے اس سوال کا ایسا مفصل اور تسلی بخش جواب دیا کہ لوگ عش عش کرنے لگے اور صرف یہی نہیں بلکہ اپنے حافظہ کے زور سے اس کا املا بھی کرانے لگا اور شائقین نے اسے نقل کیا۔

روانگی کے زمانہ میں اسکی ملاقات مزنی صاحب امام شافعی سے ہوئی ان سے اس نے فقہ شافعی کی روایت ان بغدادی کتابوں کے مطابق کی جنھیں زعفرانی نے مرتب کیا تھا اور اس سے قبل فقہ شافعی کی روایت ربیع بن سلیمان مرادی کی مدون کردہ مصری کتابوں کے مطابق کی تھی یہی وجہ تھی کہ اسکے پاس فقہ کا مکمل ذخیرہ تھا۔ عراق، شام، مصر کے فقہاء کی مجلس میں بیٹھ کر اسنے چاروں فقہ میں ایسی مہارت تام حاصل کی تھی کہ کسی ایک کو ترجیح دینا مشکل ہو گیا اور صرف اہل سنت ہی کا فقہ نہیں بلکہ وہ شیعوں کے فقہ کی باریک بینیوں سے بھی اسی طرح واقف تھا جیسے اہل سنت کے چاروں کے رگ و ریشہ سے یہی وجہ ہے کہ بعض حنابلہ نے اسے تشیع کی جانب منسوب بھی کر دیا لیکن حق یہ ہے کہ وہ اس عصبیت سے بالاتر تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ابن جریر کو علم و فضل کے ایسے جوہر سے نوازا جس نے اہل علم کی آنکھیں خیرہ کر دیں اور ہر ایک نے بڑے

لمبے چوڑے الفاظ میں اسکی فضیلت کا اقرار کیا ہے۔ چنانچہ بعض علماء ابن جریر کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ابن جریر طبری نے جملہ علوم و فنون میں مہارت حاصل کی۔ علوم دینیہ کے علاوہ منطق، حساب، طب اور علم جبر و مقابلہ میں بھی اسے ید طولیٰ حاصل تھا وہ دنیا سے کنارہ کش تھا اور دنیا والوں سے دامن بچاتا تھا۔ کبھی اسنے کسی سے دنیا طلب نہیں کی علم و فضل میں اپنی مثال آپ تھا۔ اگر آپ ابن جریر اور دیگر مصنفین کے درمیان موازنہ کریں تو آپ کے اندر اس کی کتاب میں جو چیز ملے گی وہ دوسروں کی کتابوں میں قریب قریب مفقود ہی ہوگی۔ چنانچہ اس کی کتابیں اپنے اپنے موضوع میں منفرد ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس نے بہت سے موضوع بھی ایجاد کئے جو بعد میں چل کر فن بن گئے۔ مثلاً "جامع البیان عن تاویل القرآن۔ تاریخ الرسل والملوک و اخبارہم" اس کی یہ دونوں تصانیف اپنے موضوع اور جامعیت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں۔ قراۃ متواترہ پر بھی اسکی تصانیف پائی جاتی ہیں۔ "ذیل الذیل" اس کتاب میں اسنے ان صحابہ کرام و تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کا ذکر کیا ہے جو قتل کر دیئے گئے یا مر گئے۔ اور اسماء کی ترکیب قریش خاندان سے تعلق کے اعتبار سے ہے۔ "اختلاف علماء الامصار فی احکام شرایع الاسلام" اور "لطیف القول فی شرایع الاسلام" اس کتاب میں چاروں فقہ کے مواد فراہم کئے ہیں۔ ان کے علاوہ فقہ اور فقہ کے اصول و فروع سے متعلق دوسری بھی بہت سی کتابیں ہیں۔ چنانچہ "الشروط" نام کا ایک رسالہ لطیف القول کے آخر میں لگایا ہے، لطیف القول کو مختصر بھی کیا تھا اور اس کا نام "الخفیف" رکھا ہے۔ علم فقہ پر ایک اور تصنیف بھی چھوڑی ہے جو بڑی جلیل القدر ہے اور اہل علم طبقہ میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے اسکا نام "بسیط القول فی احکام شرایع الاسلام" ہے۔ اسی طرح آداب القضاۃ، التہذیب اور آداب النفوس، اپنے اپنے موضوع کی بڑی اہم اور پرمغز کتابیں ہیں، ان کتابوں کے علاوہ اسکے ادبی و فقہی اور خالص علمی خطوط بڑے کام کے ہیں جو ہمعصر علماء کی خدمت میں اسنے وقتاً فوقتاً بھیجے تھے۔

تحصیل علم تصنیف و تالیف اور علمی اسفار و رحلات کا سلسلہ آخری عمر تک جاری رکھا۔ آپ کی موت کھیلتے کھاتے واقع ہوئی۔ جواں سالی کی یہ موت اہل علم کے لئے بڑی گراں ثابت ہوئی۔ سر اور داڑھی میں بڑھاپے کے آثار غالب نہ ہونے پائے تھے بلکہ جوانی ہی نمایاں تھی، علم کے لئے ساری دنیا میں دریوزہ گری کرنے کے بعد اپنے وطن طبرستان میں مقیم ہوئے اور یہیں جیسا کہ ذکر کیا گیا ۲۶ شوال ۳۱۰ھ کو اسی گاؤں میں موت ہوئی جہاں آپ پیدا ہوئے۔

اس مجاہد کی زندگی پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کبھی شادی نہیں کی۔ چنانچہ جب مصر پہونچا اور امام شافعی کے مشہور و محبوب شاگرد ربیع بن سلیمان کے پہونچا تو اپنا تعارف ان الفاظ میں کرایا کہ "نہ میرے کوئی اولاد ہے اور نہ ہی میں نے کبھی اپنا پاؤں کسی حرام یا حلال موقع پر کھولا ہے"۔ اس تجرد پسندی نے اسے علم و فضل کا کندن بنا دیا نہ مال اور اولاد نے تحصیل علم سے باز رکھا نہ کسی جاہ و جلال کوئی لالچ دیا وہ لکھتا پڑھتا اور اپنی قلیل پونجی سے تجارت کر کے اسی سے زندگی گذارتا اور قوت و معیشت پیدا کرتا تھا۔ مصر میں اسکی کل پونجی پونے تین درہم تھی جس سے وہ اہل علم میں تجارت کیا کرتا تھا بادشاہوں اور ذی جاہ لوگوں سے تجارت نہیں کرتا تھا۔

امام المفسرین و شیخ المورخین ابن جریر میں چند ایسے کمالات جو اسے دوسرے اہل علم پر فوقیت و فضیلت دینے پر شد تھے۔ اگر "ہیرودت" قدیم تاریخ کا سب سے بڑا عالم مانا جاتا ہے تو ابن جریر بھی اسلامی تاریخ کا مستند اور مانا ہوا جید عالم ہے اس کے اندر

معانِ حمیدہ کے چند مثالی شاہکار تھے۔ مثلاً تحصیل علم و فن اور ملاقات اہل علم و فضل کے سلسلہ میں محنت و مشقت برداشت کرنا اور گاؤں گاؤں شہر شہر علم کے لئے آوارہ گردی کرنا اسکی نمایاں صفت تھی، یہی وجہ ہے کہ وہ بیک وقت روایت و درایت دونوں کا ماہر تھا۔ عالم روایت کے لئے اسفار و رحلات لازم ہیں۔ تاکہ وہ اپنے اساتذہ اور اہل علم کے پاس جا کر ان سے روایت سنے اور منضبط کرے جیسا کہ ائمہ محدثین میں امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم، وغیرہ کیا کرتے تھے اس سلسلہ میں اس نے طبرستان سے عراق تک کا جو سفر کیا وہ صرف سفر نہیں تھا بلکہ علم و فن کی تلاش اور روایت و درایت کی تحصیل بھی تھا۔ اس کے بعد شام و مصر جیسے شہروں کا چکر کاٹا جہاں کے گلی کوچوں سے اسکو خوشہ چینی کرنے کا موقع میسر آیا اور اسنے اس مواقع سے پورا پورا فائدہ بھی اٹھایا۔

یہ جلیل القدر ہستی ایک اور مثالی صفت کی حامل تھی جسے آپ دنیا سے بے نیازی کا عنوان دے سکتے ہیں، چنانچہ مصر میں فقر و فاقہ نے اسے مخمصہ کی کیفیت سے ہم کنار کیا لیکن اسنے آہ و بکا کرنے کے بجائے صبر و شکر سے کام لے کر اللہ کی رحمت کا انتظار کیا۔ اور جب رحمت خداوندی کے مجلس میں شاہ وقت کا ہدیہ اس کے سامنے پیش کیا گیا تو اسنے صرف اپنی ضرورت کے مطابق اس میں سے اٹھایا بقیہ واپس کر دیا۔ اس کا نظریہ تھا کہ دنیا میں فقر و فاقہ کے ساتھ کریم و زاہد بن کر رہنا امیروں اور بادشاہوں کی دولت کے سایہ میں پل کر ذلیل و خوار بننے سے بدرجہا بہتر ہے۔

اس کے بعد کے مورخین جب تاریخ لکھنے بیٹھتے تو اپنے قلم کی لگام خوف و طمع کے سپرد کر دیتے لیکن اس عظیم مورخ نے جو کچھ لکھا اللہ کے لئے اور حق کے لئے لکھا اور اس وقت تک کسی چیز کو سپرد قرطاس و قلم نہ کیا جب تک کہ اس کا پارسا نفس اس کا قائل نہ ہو گیا جسے نہ کوئی شاہی طاقت مرعوب کر سکی اور نہ کوئی امیری چاپلوسی اس کو اپنی پھندے میں پھنسا سکی۔

تیسرا جوہر آبدار اس عظیم شخصیت میں یہ تھا کہ وہ جو کچھ سنتا اسے فوراً حفظ کر لیتا تھا۔ پھر اسے مدوّن مرتب کر کے محفوظ کر لیا کرتا تھا۔ اس سلسلہ میں اسکے روبرو وہی حضرات آسکتے ہیں جنھوں نے دنیا کے سامنے اپنے کارنامے ظاہر کر دیے ہیں کیوں کہ بہترین تصنیف و تالیف کے لئے ایسی موزوں فطرت اور صفت کا ہونا ضروری ہے جو واقعات و مسموعات کو یاد رکھے اور جب وقت آئے تو اسکو ایمانداری سے حافظ تک پہونچا دے۔

چوتھی انفرادیت اس کے اندر بدیہہ اور حاضر جوابی تھی اکثر مناظرہ کے موقع پر یہ صفت ظاہر ہوا کرتی تھی چنانچہ امام شافعیؒ کے شاگرد خاص مزنی کے سے اصول فقہ شافعی کے بارے میں بحث کرتا اور چونکہ شافعی کا خود بھی جید عالم تھا اس لئے وہ مزنی کے چھکے چھڑا دیتا تھا اور وہ ہر ہر مسئلہ کا مخرج و مبدا بھی بتلا دیا کرتا تھا۔

پانچواں نمبر احقاق اور ثبوت حقیقت کے سلسلہ میں اخلاص برتنا اس عظیم شخصیت کا شعار تھا جو کچھ بیان کیا جاتا اسکی روشنی میں کام کرتا اسکو سامنے رکھ کر خواہش نفسانی کی طرف مائل ہونا اسکی فطرت سے بعید تر تھا اور اگر اسکی تفسیر یا اور کتابوں میں کوئی غلطی ہو گئی ہے تو وہ روایت سے دھوکہ کھا جانے کا نتیجہ ہے، خدانخواستہ اس کا مقصد یہ کبھی نہیں تھا کہ قرآن میں تحریف یا تبدیلی پیدا کی جائے۔

علماء اور عظیم شخصیتوں کا مخصوص جوہر یعنی بے خوفی اور اپنے خیالات کے اظہار میں آزادی بھی ابن جریر کے اندر موجود تھا چنانچہ

جب وہ بغداد پہونچا تو دیکھا کہ وہاں کے لوگوں میں امام احمد بن حنبل کی بڑی عزت و توقیر اور مرنے کے بعد بھی لوگ ان کو اس نظر سے دیکھتے ہیں یہ دیکھ کر اسکو بھی امام احمد سے دلچسپی پیدا ہوئی اور ان پر ریسرچ شروع کیا۔ غور و فکر کے بعد معلوم ہوا کہ امام احمد حدیث میں جو پایہ رکھتے ہیں فقہ میں وہ مفقود ہے۔ اور اگر کسی مسئلہ میں صرف انھیں کا اختلاف ہو اور بقیہ ائمہ موافق ہوں تو اجماع مفقود ہو جائے گا اور ان کا یہ اختلاف اجماع کی صحت پر اثر انداز نہ ہو سکے گا۔ اسکے علاوہ بعض مسائل کلام و اعتقاد میں وہ امام احمد کے خلاف بھی چنانچہ الرحمٰن علی العرش استویٰ کی تفسیر میں لئے سنئے اس آیت کے تاویل کرتے ہوئے کہا استویٰ کے معنی استیلاء کے ہیں نہ کہ بغیر کسی کیفیت و حالت کے مطلق جلوس کیونکہ جلوس ذات باری کی شان کے منافی ہے۔ جب اس کے ان خیالات کا چرچا ہوا تو حنابلہ نے اسے ایک دن جامع مسجد میں گھیرا اور امام احمد کے متعلق اسکی رائے معلوم کرنے کی کوشش اور ساتھ ہی الرحمٰن علی العرش استویٰ کی تفسیر کا مسئلہ بھی چھیڑا ان کے جواب میں بن جریر نے کہا کہ رہا امام احمد کے متعلق میری رائے تو اس سلسلہ میں صرف اتنا کہنا ہے کہ میرے نزدیک کسی سلسلہ میں ان کا اختلاف قابل اعتنا نہیں ہے۔ حنابلہ نے کہا کہ لیکن علما، جہاں اختلاف علماء ذکر کرتے ہیں وہاں امام احمد کا ذکر بھی کرتے ہیں اس پر بن جریر نے کہا لیکن جہاں تک میرے علم کا تعلق ہے ان سے کسی فقہی مسئلہ کی روایت نہیں کی گئی نہ ان کے شاگردوں میں کوئی ایسا نظر آتا ہے جس پر بھروسہ کیا جائے رہا اس آیت کے متعلق تو جو تمہارا مسلک ہے وہ محال ہے۔ دیکھو شاعر کہتا ہے۔

سبحان من لیس له انیسٌ ∴ ولیس له فی عرشه جلیسٌ

جب حنابلہ نے یہ جواب سنا تو اس کے اوپر ٹوٹ پڑے اور زد و کوب کیا مارنے والوں کی تعداد ہزاروں تھی، یہ دیکھ کر وہ اپنی گھر میں گھس گیا تو مارنے والوں نے اس کے گھر پر پتھر برسائے یہاں تک کہ اس کے دروازے پر پتھروں کا ایک ٹیلہ تیار ہو گیا۔ اس قدر ثبات و استقلال اور صبر و تحمل کا مظاہرہ وہی شخص کر سکتا ہی جس کا دل شیر کا ہو اور جو اپنی ہر ہر بات کو ناپ تول کے کرنے کا عادی ہو۔

بن جریر نے علم و روایت و ادب پر خاص توجہ دی یہ دونوں علم اسکی معرکۃ الآراء تفسیر میں پورے طور پر نمایاں ہیں۔ اسنے اپنی اس تفسیر میں یہ التزام کیا ہے کہ پہلے وہ مختلف روایات ذکر کرتا ہے اور ان کی اسناد تابعین تک پہونچاتا ہے۔ اور کبھی صحابہ تک سلسلہ سند پہونچ جاتا ہے۔ ان روایات کے بیان کرنے کے بعد ان آیات کے ضمن میں وہ چیزیں لکھا ہی جو معنی سے قریب تر ہوتی ہیں اسکے بعد وہ اصل معنی کی طرف توجہ کرتا ہے گویا پہلے ہی غلط فہمی کے دروازوں کو بند کر دیتا ہے۔ اسکے بعد آیات پر ہاتھ لگاتا ہے۔

یہ تفسیر اسنے ۳۰۶ ہجری میں مکمل کی اس وقت اس کی عمر ۶۴ یا ۶۶ برس کی تھی، علمائے وقت نے اس تفسیر کا عظیم الشان استقبال کیا ان استقبال کرنے والوں میں ہر علم و فن کے امام موجود تھے، ثعلب مبرد اور زجاج ان میں خاص طور پر ذکر کئے جاتے ہیں جو علم لغت کے جید عالم تھے۔ مشرق سے مغرب تک اس کتاب کی دھوم مچ گئی۔ اور ہر اہل علم نے اسے پڑھا اور پسند کیا۔

یوں تو اس کتاب کا ہر ہر لفظ اپنی جگہ ادب پارہ ہے مگر بعض مقامات پر اس کی بعض عبارتیں نثر نگاری کے اعلیٰ مراتب پر نظر آتی ہیں اور تکلفات سے بالکل عاری ہیں۔ اس کتاب کے شروع میں ایک مقدمہ بھی ہے جو علوم قرآن پر بہترین تخلیق کہا جا سکتا ہے۔ اس میں قرآن کے اعجاز و بلاغت اور قراءۃ و روایت کے ساتھ ساتھ عربی زبان میں ہونے اور عجمی الفاظ معرب ہونے کی حکمت بھی بیان کی ہے

اسی طرح ناسخ و منسوخ کی بحث بھی بڑے کام کی چیز ہے۔

چونکہ انسان سے غلطی ہو سکتی ہے اور اکثر ہوا کرتی ہے اس لئے ہم ابن جریر کی تفسیر کو غلطی اور بھول چوک سے مبرا نہیں مان سکتے اس کے اندر یقیناً بعض ایسی روایات ہیں جن پر اعتراض کیا گیا ہے اور وہ اعتراض بالکل بجا ہے اسکی وجہ یہ ہوئی کہ اسرائیلی روایتیں صحابہ کے زمانہ ہی سے مسلمانوں میں چل پڑی ہیں۔ ان کے بعد تابعین میں رائج رہیں۔ اور ان کا سلسلہ جو چلا تو شاذ کوئی زمانہ ایسا ہو جسمیں ان کی تردید نہ ہوئی ہو۔ اور یہ بات محدثین اور علماء کاملین نے ان کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر باہر بھی کر دیا۔ بہرحال اسی ماحول و رواج کے پیش نظر اس عظیم تفسیر میں بھی بعض اسرائیلی روایات داخل ہو ہی گئیں۔ ان اسرائیلی قصوں میں سب سے زیادہ نمایاں اور ظاہر روایت وہ ہے جو اس تفسیر میں زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد کے سلسلہ میں بیان کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زینب بنت جحش کو دیکھا تو آپ کے دل میں ان کی محبت گھر کر گئی لیکن چونکہ عربی تہذیب کے پیش نظر علی الاعلان عقد کرنے سے شرماتے تھے اس لئے قرآن کو اس کا اعلان کرنا پڑا۔ یہ ایک ایسی تاریخی غلطی ہے جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں میں اس روایت کا رواج اسرائیلیات ہی کے ضمن میں ہوا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ کہ تم اپنے دل میں ایسی چیز چھپاتے ہو جس کو اللہ ظاہر کرنے والا ہے۔ اور اس کے بعد اللہ نے جو چیز ظاہر کی وہ عشق نہیں تھا بلکہ زید کے متعلق حکم تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں اور یہ طلاق دلوانا عشق و محبت کی بنا پر نہیں تھا بلکہ اس کے اندر وہ تاریخی حکمت تھی جس نے مسلمانوں کی تنگی کو ختم کر کے ایک وسعت کو جنم دیا۔ وہ حکمت یہ تھی مسلمان اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے ان کے طلاق دینے کے بعد اگر چاہیں تو شادی کر سکتے ہیں اور یہ عملی تعلیم اس آیت کے پیش نظر تھی کہ فلما قضیٰ زید وطرا الخ۔

ابن جریر سے زیادہ تعجب بعد کے ان مفسرین پر ہوتا ہے جنھوں نے بڑی فراخدلی کے ساتھ ابن جریر کی تقلید کرتے ہوئے اپنی اپنی تفسیروں میں اس واقعہ کو نقل کیا۔ اللہ تعالیٰ حافظ ابن کثیر کو جزائے خیر دے کہ انھوں نے اس تاریخی غلطی کی قلعی کھولی اور انھوں نے بتلایا کہ یہ روایت ایک غلط اور بے دلیل ہے اور اسرائیلیات کا ایک نمونہ ہے جن کی بنیاد ہی اسلام دشمنی پر ہوتی ہے۔

ابن جریر ایک علم فقہ کا بھی جید عالم تھا وہ اپنے معاصر فقہاء میں ایک خاص مقام رکھتا تھا حتیٰ کہ اسے اجتہاد کا بھی حق حاصل تھا اور بہت سے مسائل میں اس کا اپنا خاص نظریہ ہے اس کو بیان کرنے کے لئے تفصیل اور وقت دونوں درکار ہیں اس لئے اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

البتہ اسکی تاریخ دانی کو کسی قیمت پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جسکی شہرت مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس تاریخ کی تکمیل سنہ ۳۰۱ ہجری میں ہوئی اسکی ابتداء خلیقہ کے عنوان سے ہوتی ہے جس میں تخلیق آدم اور ابلیس کا پورا واقعہ درج ہے اسکے بعد انبیاء کا ذکر ہے، جو یکے بعد دیگرے دنیا میں بھیجے گئے۔ ان میں سے بعض انبیاء کے بیان میں اسرائیلی روایات کو بھی بروئے کار لایا گیا ہے لیکن بہت سنبھل کر ان پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ یہ تاریخ انبیاء مختصر طور پر ختم ہو جاتی ہے۔ اسکے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے۔

(باقی صفحہ ۸ پر)

دینی، تعلیمی اور حج سے متعلق معلوماتی رسالہ

ہند و پاک سے سالانہ پانچ روپے غیر ممالک سے دس شلنگ	ماہنامہ البلاغ بمبئی	ششماہی تین روپے فی پرچہ ۵۰ نئے پیسے

مدیر مسئول
محی الدین منیری

مدیر تحریر
قاضی اطہر مبارکپوری

جلد ۱۱ | ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۸۲ھ مطابق اگست سنہ ۱۹۶۲ء | شمارہ ۳

انجمن خدام النبی مالک رسالہ البلاغ کی طرف سے
پرنٹر پبلشر محی الدین منیری نے آحمل پریس بمبئی ۳ سے چھپوا کر، دفتر انجمن خدام النبی، صابو صدیق مسافر خانہ کرناک بندر

بمبئی ۱ سے شایع کیا